Chapter. 1

باب اوّل

۱۔ سلسلۂ نسب

۲۔ تاریخ ولادت اور مختلف نام

۳۔ تعلیم و تربیت

۴۔ بچپن، ذوق مطالعہ اور شعر و سخن

۵۔ ازدواجی حالات

۶۔ تعلیمی زندگی کا اختتام

ch

باب اوّل

١. سلسلۂ نسب :

مولانا ابوالکلام آزؔاد نے اپنے خاندانی حالات اور سلسلۂ نسب کے بارے میں "انڈیا ونس فریڈم" میں تفصیل سے لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے آباواجداد بابر کے زمانے میں ہرات سے ہندوستان آئے تھے۔ پہلے وہ آگرہ میں مقیم ہوئے اور بعد میں دہلی منتقل ہوگئے۔ وہ علمی ذوق رکھنے والے لوگ تھے۔ مولانا آزؔاد نے اپنے خاندانی حالات اور اپنے آباواجداد کی علمی و مذہبی صلاحیتوں کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"میرے خاندان میں تین مختلف خاندان جمع ہوئے ہیں اور تینوں خاندان ہندوستان وحجاز کے ممتاز بیوت علم و فضل اور اصحاب ارشاد و ہدایت میں سے ہیں۔ دینوی عزت و جاہ کی اگرچہ ان میں سے کسی نے خواہش نہیں کی۔ لیکن دنیا نے اپنی عزتوں اور شوکتوں کو ہمیشہ ان کے سامنے پیش کیا اور کبھی انہوں نے قبول کیا اور کبھی رد کردیا۔" (١)

شہنشاہ اکبر کے عہد میں مولانا آزؔاد کے مورث اعلیٰ مولانا جمال الدین نے اپنے علم و ارشاد اور فلسفہ و حکمت کی بدولت کافی شہرت پائی۔ ان کی علمیت اور مذہبی بصیرت پر روشنی ڈالتے ہوئے عبداللہ بٹ لکھتے ہیں۔

"مولانا ابوالکلام کا خاندان صدیوں سے علم و ارشاد، فلسفہ و حکمت اور روحانیت کا مرکز رہا ہے۔ مولانا کے مورث اعلیٰ مولانا جمال الدین جو عام طور پر شیخ بہلول دہلوی کے نام سے مشہور ہیں۔ شہنشاہ اکبر کے عہد میں علوم دینیہ اور فلسفہ کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔ جب اکبر نے دین الٰہی کی بنیاد رکھی تو بعض درباری علماء نے اس کی تائید کی اور اکبر کو روحانی پیشوا تسلیم کرلیا لیکن شیخ بہلول نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ ان پر درباری سازشوں کا جال بچھایا گیا تو مولانا موصوف اپنے مریدوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو ساتھ لے کر مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔"(٢)

---

(١) معترضین ابوالکلام آزؔاد ۔ عبداللطیف اعظمی (ص۔ ١٠٩)

(٢) یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ ۔ عبداللہ بٹ (ص۔ ٨٢)

مولانا آزاد کے دادا مولانا محمد ہادی اپنے وقت کے مشہور عالم تھے اور بقول مولانا آزاد، شاہ جہاں کے زمانے میں آگرہ کے قلعہ دار مقرر ہوئے تھے۔ انہیں مغل دربار سے "رکن المدرسین" کا خطاب بھی ملا تھا۔ اس زمانے میں ان کے عہدے کی نوعیت وہ تھی جو آج کل ڈائرکٹر تعلیمات کی ہے۔ مولانا آزاد نے اپنے دادا مرحوم کے خاندانی علم و فضیلت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

"میرے دادا مولانا محمد ہادی دہلی کے ایک مشہور خاندانِ علم و فضیلت سے تعلق رکھتے تھے جس میں بیک وقت پانچ پانچ علمائے درس و افتاء اصحاب سلوک و طریقت پیدا ہوئے ہیں۔" (۳)

مولانا محمد ہادی نے جب وفات پائی اس وقت مولانا آزاد کے والد مولانا خیرالدین کی عمر مشکل سے پانچ سال کی تھی۔ ان کی پرورش مولانا منورالدین نے کی جو ان کے نانا تھے۔ مولانا منورالدین کے والد قاضی رشیدالدین احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے ان کو پنجاب کا قاضی القضاۃ بنادیا تھا۔ اپنے منصبی فرائض کی ادائیگی تو وہ لاہور میں کرتے تھے لیکن مستقل سکونت ضلع لاہور کے قصبہ قصور میں اختیار کی تھی۔ مولانا منورالدین نے تحصیل علم کے شوق میں قصور سے دہلی تک پیدل سفر کیا۔ انہوں نے دہلی ہی میں شادی کرلی اور یہیں مقیم ہوگئے۔ ان کے خاندانی حالات اور ظاہری و باطنی علوم پر دسترس سے متعلق مولانا آزاد لکھتے ہیں۔

"والد مرحوم کے نانا رکن المدرسین مولانا منورالدین اپنے عہد کے مشاہیر اساتذۂ علم و درس اور اصحاب طریقت و سلوک میں سے تھے اور ان مخصوص اصحاب کمال میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ علوم ظاہر و باطن کی جامعیت عطا فرماتا ہے۔ ان کا شمار حضرت شاہ عبدالعزیز کے اجلۂ تلامذہ میں تھا۔ سلطنت مغلیہ کے آخری رکن المدرسین تھے۔ ان کے شاگردوں اور مریدوں میں ایسے ارباب کمال ہوئے جو اپنے عہد کے ممتاز بزرگوں میں سے شمار کئے گئے ہیں۔ ان کے والد رشید الدین صوبہ لاہور کے قاضی القضاۃ اور احمد شاہ ابدالی کی جانب سے نائب السلطنت پنجاب کے مشیر تھے اور ان کے والد شیخ صدرالدین ہرات کے مشائخ طریقت میں معدود اور وہاں کے خاندان قضا کے ایک رکن تھے۔" (۴)

---

(۳) انتخاب تذکرہ (مولاناابوالکلام آزاد) مرتبہ پروفیسر محمود الٰہی (ص۔ ۵۱)

(۴) تذکرہ (مولاناابوالکلام آزاد) ۔ مرتبہ مالک رام (ص۔۳۶)

مولانا منورالدین بھوپال کی نواب سکندر جہاں بیگم کے دربار سے بھی متوسل تھے۔ وہ ہندوستان سے ہجرت کرکے مکہ معظّمہ جانا چاہتے تھے لیکن بمبئی ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت مولانا آزاد کے والد مولانا خیرالدین کی عمر تقریباً پچیس سال تھی۔

والد :

مولانا آزاد کے والد کا نام خیرالدین تھا۔ وہ ۱۸۳۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد شیخ محمد ہادی نے، جن کا ننھیالی رشتہ جمال الدین معروف بہ شیخ بہلول دہلوی تھا، تقریباً ۱۸۳۴ء یا ۱۸۳۵ء میں وفات پائی تھی، اس وقت مولانا خیرالدین تقریباً پانچ سال کے تھے۔ مولانا آزاد اپنے والد کے بچپن کے حالات و واقعات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"مولانا منورالدین میرے والد کے نانا تھے۔ میرے دادا کا جب انتقال ہوا تو میرے والد مولانا خیرالدین بچے تھے اس لئے ان کے نانا نے ان کی پرورش کی۔" (۵)

مولانا منورالدین نے اپنی نگرانی اور سرپرستی میں مولانا خیرالدین کی پرورش کی۔ یہ سلسلہ تقریباً چوبیس، پچیس برس تک جاری رہا۔ جس نے انہیں تعلیم و تربیت کی دولت کے ساتھ دینی علم و فضل سے بھی مالا مال کردیا تھا۔ ۱۸۵۵ء میں وہ اپنے نانا کے ساتھ مکہ معظّمہ جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ مولانا آزاد اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

"غدر سے دو سال پہلے مولانا منورالدین نے ہندوستان کے حالات سے دل برداشتہ ہو کر مکہ معظّمہ کو ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا مگر سکندر جہاں بیگم نے بھوپال میں انہیں روک لیا۔ وہ بھوپال ہی میں تھے جب غدر شروع ہوگیا اور وہ دو سال تک وہاں سے نکل نہ سکے۔ پھر بمبئی پہنچے۔ یہاں موت نے انہیں آگھیرا اور مکہ معظّمہ جانا انہیں نصیب نہیں ہوا۔" (۶)

مولانا منورالدین کے انتقال کے بعد مجبوراً مولانا خیرالدین تنہا حجاز کے لئے روانہ ہوئے اور مکہ پہنچ کر اسی شہر محترم میں اپنے لئے مکان بنوایا۔ اس زمانے میں مدینہ منورہ میں ایک مشہور عالم شیخ محمد ظاہر وتری تھے۔ ان کے ہاں علمی تبادلہ خیال کی غرض سے مولانا خیرالدین کی آمدورفت رہا کرتی تھی۔ اس تعلق نے یہ صورت پیدا کردی کہ ان کی بھانجی عالیہ بیگم سے

---

(۵) آج کل (نئی دہلی) مولانا آزاد نمبر۔ نومبر ۱۹۸۸ء (ص۔ ۷)

(۶) ایضاً (ص۔ ۷)

مولانا خیر الدین کی شادی ہوگئی، جن سے تین بیٹیاں زینب بیگم، فاطمہ بیگم آرزو، حنیفہ بیگم آبرو اور دو بیٹے ابوالنصر غلام یٰسین آہ اور ابوالکلام محی الدین احمد آزاد پیدا ہوئے۔ مولانا آزاد بہنوں اور بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔

مولانا خیر الدین نے زمانے کے رسم و رواج کے مطابق عربی، فارسی اور اردو کی اچھی خاصی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ زبردست عالم اور صاحب تصنیف تھے۔ ڈاکٹر خلیق انجم ان کی ادبی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مولانا خیر الدین عالم اور صاحب تصنیف تھے، شاعر بھی تھے اور خیوری تخلص کرتے تھے۔ ان کی چار کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ (۱) 'السته الضروريه فی معارف الخيوريه' یہ کتاب منظوم ہے اور مثنوی کی بحر میں ہے۔ (۲) 'درج الدّرر البهيّه فی الايمان الآباء و والمهات المصطفويةؐ' یہ کتاب دو حصوں میں ہے۔ پہلے حصہ میں نظم و نثر دونوں ہیں اور دوسرے میں صرف نظم ہے۔ (۳) 'اسباب السرور لاصحاب الخيور' اور (۴) 'عقائد الفريقين' یہ کتاب عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ہے۔" (۷)

مولانا خیر الدین علم و فضل کی دولت سے مالا مال تھے اور علم و ادب کی مختلف شاخوں پر ان کی گہری نظر تھی۔ انہوں نے دس جلدوں میں عربی میں ایک کتاب لکھی جو مصر سے شائع ہوئی تھی۔ بقول مولانا آزاد اس کتاب کی اشاعت سے ان کے والد پوری اسلامی دنیا میں مشہور و معروف ہوگئے تھے۔

مولانا خیر الدین پیر تھے۔ مولانا آزاد کے بیان کے مطابق وہ کئی بار بمبئی اور ایک بار کلکتہ آئے تھے جس کی وجہ سے بے شمار لوگ ان کے مرید و مداح ہوگئے تھے۔ ایک دن مکے میں وہ گر پڑے اور ان کے بائیں ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ مکے میں اس وقت علاج کا معقول انتظام نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً انہیں مع اہل و عیال کلکتہ آنا پڑا۔ اس سلسلے میں مولانا آزاد لکھتے ہیں۔

"یہ ہڈی تو بٹھادی گئی مگر وہ اچھی طرح نہیں بیٹھی تھی اور لوگوں نے مشورہ دیا تھا کہ کلکتہ کے سرجن اسے ٹھیک کردیں گے۔ ان کا ارادہ تھا کہ صرف چند دن قیام کریں گے، مگر ان کے مریدوں اور مداحوں نے انہیں جانے نہیں دیا۔ ہمارے کلکتہ آنے کے ایک سال بعد میری

(۷) مولانا ابوالکلام آزاد (شخصیت و کارنامے) مرتبہ خلیق انجم (ص ۔ ۱۶)

والدہ نے وفات پائی اور انہیں وہیں دفن کیا گیا۔" (۸)

اس حادثہ جانکاہ کے بعد مولانا خیرالدین نے کلکتہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ تقریباً نوے برس کی عمر گذار کر ۱۷، اگست ۱۹۰۸ء کو انہوں نے کلکتہ ہی میں وفات پائی۔ مرحوم کو کلکتہ کے مانک تلہ قبرستان میں ان کی اہلیہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

والدہ ماجدہ :

مولانا آزاد کی والدہ کا نام عالیہ بیگم تھا۔ وہ انتہائی نیک اور شریف عرب خاتون تھیں۔ اپنی والدہ کے خاندانی حالات بیان کرتے ہوئے مولانا آزاد تحریر فرماتے ہیں۔

"میری والدہ حضرت شیخ محمد بن ظاہر وتری مفتی منورہ کی بھانجی تھیں جو گذشتہ دور کے اکثر علمائے حجاز کے استاذِ حدیث اور شیخ عبداللہ سراج کے بعد مکہ معظمہ کے آخری محدّث تھے۔ ان کے بعد اس درجے کا کوئی شیخ حدیث حرمین میں پیدا نہیں ہوا۔" (۹)

مولانا آزاد کی والدہ کی مادری زبان عربی تھی لیکن انہوں نے مکہ میں رہتے ہوئے اتنی اردو سیکھ لی تھی کہ وہ اس زبان میں بآسانی بات چیت کرسکتی تھیں۔ مولانا آزاد اپنی والدہ کے اخلاقی اوصاف اور دماغی بصیرت پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک جگہ یوں رقمطراز ہیں۔

"ان کی اخلاقی اور دماغی بصیرت پر اب جس قدر غور کرتا ہوں، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہر اعتبار سے وہ بلند درجہ تھیں۔ وہ نہایت فیاض اور سیر چشم تھیں۔ مفلس زدہ آدمیوں کی تکلیف ان سے دیکھی نہ جاتی تھی۔" (۱۰)

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی والدہ انتہائی نیک، شریف، ملنسار، سلیقہ شعار اور منکسر المزاج خاتون تھیں۔ مولانا آزاد نے اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے ان کی والدہ کے بلند پایہ اخلاقی صفات و کردار کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"میرے والد مرحوم نے ایک خوش نویس حافظ مبارک بخاری کو اپنے گھر پر ہی رکھ لیا تھا تاکہ ان کی تصنیفات تبئیض کریں۔ وہ اپنے کپڑوں کی صفائی کا ذرا خیال نہیں کرتے تھے۔ ایک دن میں نے کہہ دیا کہ وہ بڑے گندے آدمی ہیں۔ میری والدہ نے نہایت دھیمی آواز میں تادیب

---

(۸) آجکل (نئی دہلی) مولانا آزاد نمبر (نومبر) ۱۹۸۸ء (ص۔ ۷)
(۹) تذکرہ (ابوالکلام آزاد)۔ مرتبہ مالک رام (ص۔ ۲۵)
(۱۰) ابوالکلام آزاد۔ سوانح حیات۔ عرش ملسیانی (ص۔ ۱۵)

تو نہیں تلقین کی اور کہا "میری جان! ایسا نہ کہو، ہو سکتا ہے وہ خدا کی نظر میں تم سے اور ہم سے عزیز تر ہو۔" (۱۱)

مولانا آزاد تقریباً آٹھ نو سال ہی کے تھے کہ ان کی والدہ کا کلکتہ میں انتقال ہو گیا۔ ان کی رسم تکفین کلکتے کے مانک تلہ قبرستان میں ادا کی گئی۔ مولانا آزاد کے والد نے ان کے مدفن پر مقبرہ تعمیر کروا دیا جس کا گنبد سنگ مرمر کا ہے۔ یہ مقبرہ محض لوہے کی جالیوں کا گھیرا ہے جس کے نیچے نہ کوئی بنیاد ہے اور نہ عمارت۔ اس مقبرے میں ایک اور قبر کی جگہ رکھی گئی تھی جس میں مولانا آزاد کے والد مولانا خیر الدین کو دفن کیا گیا۔

بھائی :

مولانا آزاد سے دو تین سال بڑے ایک بھائی تھے جن کا نام ابوالنصر غلام یٰسین تھا۔ دونوں بھائیوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت ایک ہی نہج اور ایک ہی معیار پر ہوئی تھی۔ مولانا ابوالنصر یٰسین شاعر بھی تھے اور نثر نویس بھی تھے۔ شاعری میں وہ آہ تخلص کرتے تھے۔ وہ مرزا داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار ان کی ادبی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

"ابوالنصر غلام یٰسین آہ اس صدی کی پہلی دہائی کے ابتدائی پانچ، چھ سال میں معروف شاعر اور نثر نگار تھے۔ معیاری رسالوں مخزن، زمانہ، مرقع عالم، خدنگ نظر وغیرہ میں ان کا کلام اور مضامین شائع ہوتے۔" (۱۲)

مولانا ابوالنصر آہ کو عربی ادب سے خاصی مناسبت تھی۔ انہیں اردو، فارسی، انگریزی اور ترکی زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان کے والد مولوی خیر الدین کا پیری مریدی کا سلسلہ تھا۔ کلکتے اور بمبئی وغیرہ میں ان کے خاصے مریدین تھے۔ وہ غلام یٰسین آہ کو اپنی جانشینی کے لئے تیار کرنا چاہتے تھے۔ آہ بھی اپنے والد کے نقش قدم پر عمل پیرا تھے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ۱۹۰۵ء میں غلام یٰسین آہ اور مولانا آزاد تفریح کی غرض سے عراق گئے۔ مولانا آزاد راستے ہی میں بیمار ہو گئے اور ہندوستان واپس چلے آئے لیکن ابوالنصر آہ شام چلے گئے جہاں وہ بھی بیمار پڑ

(۱۱) ابوالکلام آزاد۔ سوانح حیات۔ عرش ملسیانی (ص ۔ ۱۵)
(۱۲) مولانا ابوالکلام آزاد۔ شخصیت اور کارنامے۔ مرتبہ خلیق انجم (ص ۔ ۲۳)

گئے۔ جب ان کی حالت بہت زیادہ بگڑ گئی تو معقول علاج کی غرض سے بمبئی آگئے لیکن طبیعت بجائے سدھرنے کے اور بگڑتی گئی۔ اُن کے والد کلکتے سے بمبئی آئے اور انہیں لے کر کلکتہ پہنچے لیکن ان کا آخری وقت آن پہنچا تھا۔ کلکتہ پہنچنے کے بعد ۱۹۰۶ء میں ابوالنصر آہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ان کی وفات پر مقبول حسین وصلؔ بلگرامی نے اکتوبر ۱۹۰۶ء میں اپنے پرچے "عالمگیر" میں ایک شذرہ اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"مولوی ابوالنصر غلام یٰسین آہ دہلوی مرحوم نہایت ہی لائق مضمون نویس اور عمدہ شاعر تھے۔ آپ کا کلام اکثر خدنگ نظر اور دیگر علمی رسالوں میں شائع ہوتا رہا ہے۔ کوئی ایسا اردو اخبار اور رسالہ نہ تھا جس میں نہ نکلتے رہے ہوں۔ ۱۹۰۵ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں آپ نے جو لکچر دیے اور نظمیں پڑھیں ان کا ایک ایک لفظ آپ کی اعلیٰ لیاقت اور جدت پسند طبیعت کا شاہد تھا۔ حاضرین و سامعین سن سن کر نعرۂ آفرین بلند کر رہے تھے۔ حال ہی میں آپ اسلامی ممالک کی سیر کو گئے تھے۔ وہاں سے آتے ہی آپ نے انتقال کیا۔" (۱۳)

مولانا ابوالنصر آہ کی ایک تصنیف "حکیم عمر بن ابراہیم خیام" کی مختصر سوانح شائع ہوئی تھی۔ انہوں نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سوانح کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ ان کا اردو دیوان بھی مرتب ہو چکا تھا۔ لیکن چھپ نہیں سکا۔ انہوں نے عربی، انگریزی اور ترکی نظموں کے اردو میں تراجم بھی کئے تھے۔

بہنیں :

مولانا آزاد کی تین بہنیں تھیں۔ سب سے بڑی بہن کا نام زینت بیگم تھا۔ زینت بیگم عمر میں سبھی بھائی بہنوں سے بڑی تھیں۔ ان کی پیدائش قسطنطنیہ میں ہوئی تھی۔ کم سنی ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

مولانا کی دوسری بہنوں کا نام فاطمہ بیگم آرزو اور حنیفہ بیگم آبرو تھا۔ آرزو اور آبرو غالباً ان کا تخلص تھا اور بعد میں وہ انہی ناموں سے مشہور بھی ہوئیں۔ دونوں بہنیں مولانا آزاد سے عمر میں بڑی تھیں۔ مولانا کے والد اپنے سبھی بچوں کو ایک ہی ساتھ پڑھاتے تھے۔ چنانچہ

---

(۱۳) مولانا ابوالکلام آزاد (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم (ص ص۔ ۲۴۔ ۲۳)

اپنے والد محترم ہی سے دونوں بہنوں نے اردو، فارسی و عربی سیکھی تھی۔ مولانا آزاد نے اپنی منجھلی بہن فاطمہ بیگم کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

"یہ لوگ چونکہ اس زمانے میں تعلیم میں مصروف تھے اور والد کی مشغولیت بہت بڑھ گئی تھی۔ ساتھ ہی بینائی میں ضعف بھی آگیا تھا۔ اسلئے ان کا جس قدر لکھنے پڑھنے کا کام تھا وہ ہماری منجھلی بہن (آرزو بیگم) ہی کے سپرد ہوگیا تھا۔ چنانچہ تمام تصنیف و تالیف کے مسودے لکھنا، ان کو صاف کرنا، خط و کتابت کرنا اور تمام باتیں اپنی شادی تک وہی کرتی رہیں۔ چونکہ ہم سب میں حسن خط اور والد مرحوم کے خط سے اشبہ ہونے کے اعتبار سے انہی کا خط سب سے بہتر تھا۔ اسلئے جو لوگ والد صاحب سے خط و کتابت کے عادی تھے وہ اس تبدیلی کو آخر تک محسوس نہ کرسکے کہ خطوط کسی دوسرے قلم سے لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ منجھلی بہن کو چونکہ ہم لوگوں کے ساتھ پڑھنے کے بعد بھی سال ڈیڑھ سال تک مزید درس کا موقع ملا اسلئے انہوں نے حدیث و فقہ کی کتابیں بھی بہت حد تک ختم کیں۔" (۱۴)

فاطمہ بیگم آرزو کی شادی معین الدین عربی سے ہوئی تھی۔ تقریباً بیاسی سال کی عمر گذار کر آرزو بیگم نے ۱۳، اپریل ۱۹۶۶ء کو بھوپال میں وفات پائی۔

مولانا آزاد کی تیسری بہن کا نام حنیفہ بیگم آبرو تھا۔ وہ ۱۸۸۴ء میں مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کی شادی کلکتہ کے احمد ابراہیم سے ہوئی تھی۔ لیکن کچھ ہی عرصے میں ان کا انتقال ہوگیا۔ بعد میں آبرو بیگم کی دوسری شادی حکومت بھوپال کے سکریٹری واجد خان سے ہوئی تھی۔

آبرو بیگم پرنس آف ویلز لیڈیز کلب بھوپال کی آنریری سکریٹری تھیں جسے نواب سکندر جہاں بیگم نے خواتین بھوپال کی اصلاح وتربیت کے لئے قائم کیا تھا۔ اس کلب کی طرف سے ایک بار بھوپال میں نمائش لگی تھی۔ اس نمائش کی روداد "روداد نمائش دستکاری خواتین بھوپال" کے نام سے شائع ہوچکی ہے جسے آبرو بیگم نے تحریر کی تھی۔

آبرو بیگم مولانا آزاد سے بہت محبت رکھتی تھیں۔ مولانا آزاد نے اپنی ہمشیرہ کی انسیت کے متعلق لکھا ہے کہ "اس زمانے میں صرف مجھ سے بڑی ہمشیرہ تنہا ایک عزیز تھیں، جو نہ صرف ہمدردی کرتیں بلکہ میرے خیالات سے بھی متفق تھیں۔" (۱۵)

(۱۴) آزاد کی کہانی، خود آزاد کی زبانی بہ روایت عبدالرزاق ملیح آبادی (ص ـ ۳۹۶)
(۱۵) ایضاً (ص ۳۹۵)

جون ۱۹۴۳ء میں آبرو بیگم کا انتقال ہو گیا اس وقت مولانا آزاد احمد نگر جیل میں تھے۔

۲ . تاریخ ولادت اور مختلف نام :

مولانا ابوالکلام آزاد کی پیدائش شہر محترم مکہ معظمہ میں ہوئی تھی۔ عبدالقوی دسنوی ان کی جائے پیدائش کی حسین مرقع کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جس مکان میں مولانا آزاد پیدا ہوئے تھے وہ محلہ قدوہ میں باب السلام سے ملا ہوا تھا۔ اس کی کھڑکیوں سے حرم کے مینار اور قندیلیں دکھائی دیتی تھیں اور اذان کی آوازیں ایسی سنائی دیتی تھیں جیسے اسی گھر کی چھت پر اذان دی جا رہی ہو۔" (۱)

مولانا آزاد نے "تذکرہ" میں اپنا سال ولادت دوالحجہ ۱۳۰۵ھ بتایا ہے اور ثبوت میں یہ بھی بتایا ہے کہ ان کے والد محترم نے فیروز بخت تاریخی نام رکھا تھا اور مصرع ذیل سے تاریخ نکالی تھی۔

"جواں بخت و جواں طالع باد"

یعنی ۱۶ یا ۱۷، اگست لیکن پروفیسر ہمایوں کبیر نے "انڈیا ونس فریڈم" میں مولانا کی تاریخ پیدائش ۱۱، نومبر ۱۹۸۸ء بتائی ہے جس کی وجہ سے ان کی تاریخ ولادت میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ مالک رام نے مولانا آزاد کے قریبی لوگوں سے چھان بین کر کے معتبر ذرائع اور مستند حوالوں کے ذریعے ان کی صحیح تاریخ ولادت ثابت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"غرض کہ وہ (مولانا آزاد) ۱۷، ۱۸، اگست ۱۸۸۸ء کو پیدا ہوئے ہوں یا ۲۲، اگست ۱۸۸۸ء کو، ۱۱، نومبر کو بہر حال نہیں ہوئے۔ یہ تاریخ یقیناً ٹھیک نہیں ہے۔ یقینی بات صرف یہ ہے کہ وہ ۹، اگست اور ۶ ستمبر ۱۸۸۸ء کے درمیان کسی دن پیدا ہوئے اور ۱۱، نومبر ۱۸۸۸ء ان کی تاریخ ولادت نہیں ہے۔" (۲)

مختلف نام : مولانا آزاد کے والد مولوی خیرالدین نے ان کا پیدائشی نام فیروز بخت رکھا تھا۔ اپنے نام کے متعلق خود مولانا آزاد لکھتے ہیں۔

---

(۱) مولانا ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی (مختصر سوانح حیات) عبدالقوی دسنوی (ص ص ۔ ۱۲ ۔ ۱۳)

(۲) آجکل (نئی دہلی) مولانا آزاد نمبر۔ نومبر ۱۹۸۸ء (ص ۔ ۳۸)

"والد مرحوم نے "فیروز بخت" نام رکھا تھا۔ سبحان اللہ! بخت کی فیروزی! اور طالع کی ارجمندی۔" (۳)

لیکن مولانا آزاد نے نہ صرف یہ کہ کبھی یہ نام استعمال کیا بلکہ مختلف اوقات میں اپنے تحریر کردہ خطوط اور تصانیف میں وہ اپنا نام الگ الگ ڈھنگ سے لکھتے رہے ہیں۔ انہوں نے مختلف اوقات میں جو مختلف نام استعمال کیئے وہ درج ذیل ہیں۔

۱۹۰۰ء	عبدالرزاق کانپوری (خط)	غلام محی الدین احمد آزاد
۱۹۰۲ء	مخزن (رسالہ)	ابوالکلام محی الدین احمد آزاد
۱۹۰۳ء	لسان الصدق (رسالہ)	ابوالکلام آزاد دہلوی
۱۹۱۲ء	الہلال (ہفت روزہ)	احمد المکنی بابی الکلام آزاد الدہلوی
۱۹۱۷ء	تذکرہ	احمد
۱۹۳۰ء	ترجمان القرآن کی پہلی جلد	ابوالکلام احمد
۱۹۴۲ء۔۴۶	غبار خاطر (خطوط کا مجموعہ)	ابوالکلام

مولانا آزاد نے مختلف اوقات میں مختلف انداز سے اپنا نام استعمال کیا ہے۔ علامہ شبلی انہیں آزاد کہہ کر پکارتے تھے لیکن "الہلال" کی اشاعت اور اس کی مقبولیت کے بعد وہ باضابطہ طور پر "مولانا" تسلیم کر لئے گئے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا نے اپنا نام چاہے جس طرح استعمال کیا لیکن ہندوستانی سیاست اور اردو ادب میں وہ مولانا ابوالکلام آزاد ہی کے نام سے مشہور ہوئے۔

۳. تعلیم و تربیت :

مولانا آزاد کی پیدائش کے وقت عرب میں مسلمانوں میں جس طریقۂ تعلیم کا رواج تھا وہ یہ تھا کہ پہلے فارسی اور پھر عربی پڑھائی جاتی تھی اور جب طالب علم ان دونوں زبانوں کو سیکھ لیتا تو پھر فلسفہ، اقلیدس، ریاضی اور الجبرا کی تعلیم عربی زبان میں دی جاتی تھی۔ اس طریقۂ تعلیم میں دینی تعلیم بھی ضروری تھی۔ چنانچہ مولانا آزاد نے بھی اسی انداز سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے والد کی نگرانی میں ان کے گھر پر ہی ہوئی تھی۔ عبدالقوی دسنوی

(۳) آثار ابوالکلام آزاد (ایک نفسیاتی مطالعہ) قاضی محمد عبدالغفار (ص۔ ۱۷)

مولانا کی رسم بسم اللہ اور ابتدائی تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"پھر ایک دن ایسا آیا کہ پانچویں سالگرہ میں قدم ہی رکھا تھا یعنی ۱۸۹۲ء میں عصر کے وقت حرم شریف میں مولانا آزاد کی اپنے بڑے بھائی غلام یٰسین ابوالنصر آہ کے ساتھ شیخ عبداللہ مرداد کے مبارک ہاتھوں رسم بسم اللہ انجام پائی۔ بعد میں ابتدائی تعلیم کی کچھ ذمہ داریاں ان کی خالہ نے سنبھالیں اور بہت کچھ وہاں کے مشہور اساتذہ شیخ محمد عمر اور شیخ حسن نے پوری کیں۔ مولانا حافظ بخاری کا نام بھی اہمیت رکھتا ہے۔ مولانا آزاد ان سے قرآن کے چند اجزاء پڑھ سکے تھے، بنگال کے ایک اور صاحب سے جنہیں مولوی صاحب کہا جاتا تھا آزاد کبھی کبھی سبق لیتے تھے۔" (۱)

مکہ معظّمہ سے ہندوستان آنے کے بعد مولانا آزاد کی تعلیم پر ان کے والد نے خصوصی توجہ دی۔ مولوی خیرالدین مغربی تعلیم سے متنفر تھے اور اسے نقصان دہ تصور کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے پرانے انداز کی روایتی تعلیم کو مولانا آزاد کے لئے بہتر سمجھا اور اسی انداز سے خود ہی پڑھانا شروع کیا۔ اس سلسلے میں پروفیسر خلیق انجم رقمطراز ہیں۔

"مولانا خیرالدین اپنے چاروں بچوں کو ایک ساتھ فارسی اور عربی پڑھاتے تھے۔ جب مولانا صاحب بہت مصروف ہوگئے تو دلی کے ایک بزرگ مولوی محمد یعقوب تھے، انہوں نے مولانا آزاد اور ان کے بھائی کو عربی اور منطق پڑھانی شروع کردی۔ فارسی اور فقہ بدستور والد پڑھاتے رہے۔ کچھ عرصے بعد مولانا خیرالدین اتنے بیمار پڑے کہ بچوں کی تعلیم میں حرج ہونے لگا۔" (۲)

جب مولوی خیرالدین بہت مصروف ہوگئے تو انہوں نے دوسرے ان اساتذہ سے اپنے بچوں کو تعلیم دلوائی جن کو وہ خود پسند کرتے تھے۔ ان میں مولوی محمد یعقوب، مولوی نذیر الحسن انبٹھوی، مولوی محمد عمر، مولوی محمد ابراہیم اور مولانا سعادت حسن قابل ذکر ہیں۔ ان اساتذہ کی نگرانی میں مولانا آزاد کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ وہ بچپن ہی سے بہت ذہین تھے۔ ان کی ذہنی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ دوران تعلیم ان کے ہم جماعت طلبہ ان کا ساتھ نہیں دے پاتے تھے۔

---

(۱) مولانا ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی (مختصر سوانح حیات)۔ عبدالقوی دسنوی (ص ۔ ۱۴)

(۲) مولانا ابوالکلام آزاد ۔ شخصیت اور کارنامے۔ مرتبہ خلیق انجم (ص ۔ ۳۸)

اس سلسلے میں مولانا آزاد خود تحریر فرماتے ہیں۔

"تعلیم کی جو رفتار عام طور پر رہا کرتی ہے، میرا معاملہ اس سے مختلف رہا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۰۰ء میں جب میری عمر بارہ تیرہ برس سے زیادہ نہ تھی، میں فارسی کی تعلیم سے فارغ اور عربی کی مبادات سے گذر چکا تھا اور شرح ملاّ اور قطبی وغیرہ کے دور میں تھا۔ میرے ساتھیوں میں میرے مرحوم بھائی مجھ سے عمر میں دو برس بڑے تھے۔ باقی اور جتنے تھے ان کی عمریں بھی بیس، اکیس برس سے کم نہ ہونگی۔" (۳)

مولانا آزاد کی ابتدائی تعلیم عربی و فارسی میں ہونے کی وجہ سے اردو بالکل نظرانداز ہوگئی لیکن انہوں نے اپنے نجی ذوق و شوق سے اردو زبان پر عبور حاصل کرلیا۔ پروفیسر خلیق انجم مولانا آزاد کی اردو تعلیم کے متعلق رقمطراز ہیں۔

"مولانا کو اردو پڑھنے کا خود بخود شوق پیدا ہوا۔۔۔ کلکتے پہنچنے پر انہوں نے اردو اپنی بڑی بہن آبرو بیگم سے گھر میں اور باہر حافظ بخاری سے پڑھی۔ کچھ اردو قصے ان کی بہن آبرو بیگم کے پاس تھے اور ایک پرانی قسم کی مثنویوں کا مجموعہ تھا، جس میں ابراہیم بن ادہم کے قصے بیان کئے گئے تھے۔ آبرو بیگم یہ کتابیں مولانا کو پڑھ کر سناتیں۔ کچھ عرصے بعد مولانا آبرو بیگم سے باقاعدہ اردو پڑھنے لگے۔" (۴)

مولانا آزاد نے اپنے نجی ذوق مطالعہ سے فسانہ عجائب، باغ و بہار اور قصہ حاتم طائی جیسی داستانیں پڑھیں اور عبدالحلیم شرر کے بہت سے ناولوں کا مطالعہ بھی کیا اور اس طرح انہوں نے اردو زبان پر دسترس حاصل کرلی۔ ان کے تعلیمی حصول کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنے نجی مطالعے سے عربی، فارسی و اردو زبانوں کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی اور ترکی زبانیں بھی سیکھیں۔ ان کی عمر سولہ سترہ برس کی تھی کہ انہیں مضامین سرسیّد پڑھنے کا موقع ملا۔ علوم جدیدہ کی اہمیت و افادیت اور اپنے ذوق مطالعہ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا آزاد تحریر فرماتے ہیں۔

"جدید تعلیم کے بارے میں ان کے (سرسیّد احمد خان کے) خیالات کا میرے اوپر بہت اثر ہوا اور میں نے محسوس کیا کہ جب تک کوئی شخص جدید سائنس، فلسفہ اور ادب کا اچھا مطالعہ نہ

---

(۳) تلاش آزاد ۔ عبدالقوی دسنوی (ص ۔ ۱۳)

(۴) مولانا ابوالکلام آزاد ۔ شخصیت اور کارنامے ۔ مرتبہ خلیق انجم (ص ۔ ۳۸)

کرے، وہ صحیح معنوں میں تعلیم حاصل نہیں کرتا۔ میں نے طے کیا کہ میرے لئے انگریزی پڑھنا ضروری ہے۔ مولوی محمد یوسف جعفری سے میں نے اس کا ذکر کیا۔ وہ اس زمانے میں مشرقی علوم کے صدر ممتحن تھے۔ انہوں نے مجھے انگریزی کی ابجد سکھائی اور پیارے چند سرکار کی پہلی کتاب پڑھنے کو دی۔ جیسے ہی مجھے زبان کی کچھ شد بد ہوگئی، میں نے انجیل پڑھنا شروع کردیا۔ میں نے اس کے انگریزی، فارسی اور اردو کے نسخے حاصل کئے اور تینوں کو سامنے رکھ کر پڑھتا تھا۔ اس سے مجھے عبارت کو سمجھنے میں بہت مدد ملی، میں نے انگریزی لغت کی مدد سے اخبار بھی پڑھنا شروع کیا اور بہت جلد اس قابل ہوگیا کہ انگریزی کتابیں پڑھ سکوں۔ میں تاریخ اور فلسفہ کا خاص طور سے مطالعہ کرتا رہا۔" (۵)

مولانا آزاد نے اپنی ذاتی محنت اور قابلیت سے ابتدا میں انگریزی اخبارات پڑھنا شروع کیا اور کچھ ہی عرصے میں انہیں انگریزی پر اتنا عبور حاصل ہوگیا کہ وہ آسانی سے انگریزی کی کتابیں پڑھنے اور سمجھنے لگے تھے۔ ان کی انگریزی دانی کو سراہتے ہوئے مہادیو دیسائی لکھتے ہیں۔

"اگرچہ آپ انگریزی کم بولتے ہیں مگر آپ کی لائبریری انگریزی اور فرانسیسی کتابوں سے بھری ہوئی ہے۔ آپ نے کئی انگریزی شعراء شیکسپیر، ورڈز ورتھ، شیلے، گوئٹے، سپونوزا، روسو، مارکس، ہیولاک، ریلیس، ہیوگو، ٹالسٹائی اور رسکن کو بار بار پڑھا ہے۔" (۶)

۱۹۰۸ء میں مولانا آزاد مصر گئے اور وہاں سے ترک اور فرانس کا دورہ بھی کیا۔ دوران سفر انہوں نے محسوس کیا کہ ان ملکوں میں فرانسیسی زبان کو بہت مقبولیت حاصل ہے لہٰذا انہوں نے اپنی ذاتی کوشش و کاوش سے فرانسیسی سیکھنا شروع کی اور بہت کم وقت میں فرانسیسی زبان کی کتابیں بآسانی پڑھنے لگے۔ اسی زمانے میں طاہر بک نامی ایک ترک بمبئی آئے ہوئے تھے۔ مولانا آزاد نے انہیں اپنے گھر پر ہی قیام کروا دیا تھا اور ان سے تھوڑی بہت ترکی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے کئی زبان و ادب کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ مراٹھی علم و ادب پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔

---

(۵) مولانا ابوالکلام آزاد ۔ شخصیت اور کارنامے ۔ مرتبہ خلیق انجم (ص ص ۳۹ ۔ ۳۸)

(۶) مولانا ابوالکلام آزاد ۔ تحریک آزادی و یکجہتی ۔ مرتبہ عبدالودود خان (ص ۔ ۲۱)

٤ . بچپن ، ذوق مطالعہ اور شعر و سخن

مولانا آزاد کا بچپن مکہ معظمہ میں گذرا تھا۔ وہاں کی مقدس سرزمین، پاک وصاف ماحول اور روح پرور فضا میں انہوں نے اپنے بچپن کے تقریباً آٹھ سال گذارے اور یہیں ابتدائی تعلیم و تربیت پائی۔ ان کی مادری زبان عربی تھی۔ پانچ سال کی عمر میں ان کی رسم بسم اللہ ان کے بڑے بھائی غلام یٰسین ابوالنصر آہ کے ساتھ انجام پائی۔ مولانا آزاد بچپن ہی سے بہت ذہین تھے اور ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ ان کے بچپن کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے عبدالقوی دسنوی نے ان کی غیر معمولی ذہانت و فطانت کو ان لفظوں میں واضح کیا ہے۔

"بچپن کی مولانا آزاد کی ذہانت اور یادداشت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ابھی وہ صرف چار سال کے تھے کہ ان کے ماموں انہیں گود میں لئے ہوئے مکان کی سیڑھی سے گر گئے تھے۔ مولانا آزاد کو یہ واقعہ نہ صرف آخری عمر تک یاد رہا بلکہ انہیں یہ بھی یاد رہا کہ انہیں اٹھا کر جس پلنگ پر لٹایا گیا تھا اس پر زرد رنگ کی شال بچھی ہوئی تھی۔" (ا)

مولانا کا بچپن عام بچوں سے بالکل مختلف تھا۔ بقول آرزو بیگم ان کے کھیلوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک دن ضرور بڑے آدمی بنیں گے۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے مولانا آزاد کی بہن آرزو بیگم کا انٹریو لیا تھا جس میں انہوں نے مولانا کے کھیلوں کو ذکر کرتے ہوئے بتایا تھا۔

"بچپن میں بھائی کو ان کی کھیلوں کا شوق نہیں تھا جو اکثر بچے کھیلا کرتے ہیں۔ ان کے کھیل سات آٹھ سال کی عمر میں عجیب انداز کے ہوا کرتے تھے مثلاً وہ کبھی گھر کے تمام صندوقچوں اور بکسوں کو ایک لائن میں رکھ کر کہتے تھے کہ یہ ریل گاڑی ہے۔ پھر والد کی پگڑی سر پر باندھ کر بیٹھ جاتے تھے اور ہم بہنوں سے کہتے تھے کہ تم چلا چلا کر کہو، ہٹو ہٹو ، راستہ دو، دلّی کے مولانا آرہے ہیں۔ ہم لوگ اس پر کہتے تھے کہ بھائی یہاں تو کوئی آدمی نہیں ہے۔ ہم کس کو دھکا دیں اور کہیں کہ راستہ دو۔ اس پر وہ کہتے کہ یہ کھیل ہے، تم سمجھو کہ مجھ کو لینے بہت سے لوگ اسٹیشن پر آئے ہیں۔ پھر بھائی صندوقوں پر سے اترتے تھے اور بہت آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر

(ا) مولانا ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی (سوانح حیات۔ عبدالقوی دسنوی) (ص۔ص۔ ۱۵۔ ۱۴)

چلتے تھے جیسے کہ بڑی عمر کے لوگ چلتے ہیں۔ کبھی وہ گھر میں کسی اونچی چیز پر کھڑے ہوجاتے اور سب بہنوں کو آس پاس کھڑا کرکے کہتے تھے کہ تم لوگ تالیاں بجاؤ اور سمجھو کہ ہزاروں آدمی میرے چاروں طرف کھڑے ہیں اور میں تقریر کررہا ہوں اور لوگ میری تقریر سن کر تالیاں بجا رہے ہیں۔ میں کہتی تھی کہ بھائی سوائے ہم دوچار کے، یہاں اور کوئی نہیں ہے۔ ہم کیسے سمجھیں کہ ہزاروں آدمی یہاں کھڑے ہیں۔ اس پر وہ کہتے تھے کہ یہ تو کھیل ہے، کھیل میں ایسا ہی ہوتا ہے۔" (۲)

مولانا آزاد کو عام بچوں کی طرح کھیلوں سے بالکل رغبت نہیں تھی، نیز ان کے کھیل بھی عام بچوں کے کھیلوں سے مختلف ہوا کرتے تھے۔ انہیں عام بچوں کی طرح کھیل کود کے برخلاف کتابیں پڑھنے اور علم حاصل کرنے کا بے پناہ شوق تھا۔ انہوں نے اپنے بچپن کے تعلیمی ذوق و شوق کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے۔

"میری ابھی دس گیارہ برس کی عمر ہوگی کہ یہ باتیں کام کر گئیں تھیں۔ بچپنے کی نیند سر پر سوار رہتی تھی مگر میں اس سے لڑتا رہتا، صبح اندھیرے میں اٹھتا اور شمع دان روشن کرکے اپنا سبق یاد کرتا، بہنوں سے منتیں کرتا کہ صبح آنکھ کھلے تو مجھے جگا دینا۔ وہ کہتی تھیں، یہ نئی شرارت کیا سوجھی ہے۔ اس خیال سے کہ میری صحت کو نقصان نہ پہنچے۔ والد مرحوم روکتے، لیکن مجھے کچھ ایسا شوق پڑ گیا تھا کہ جس دن دیر سے آنکھ کھلتی، دن بھر پشیمان سا رہتا۔ آنے والی زندگی میں جو معاملات پیش آنے والے تھے، یہ ان سے میرا پہلا سابقہ تھا۔" (۳)

مولانا آزاد کے اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ بچپن ہی سے ان میں تعلیمی حصول کا ذوق و شوق بہت بلند تھا۔ انہیں کھیل کود کے بجائے کتابوں کے مطالعہ سے حد درجہ رغبت اور دلچسپی تھی۔ ان کے والد مولانا خیرالدین اپنے بیٹے کے پڑھنے کے شوق کو دیکھ کر خوش ضرور ہوتے لیکن ساتھ ہی اس بات سے ڈرتے بھی رہتے کہ یہ لڑکا اپنی تندرستی بگاڑ لے گا۔

مولانا آزاد کے ذوق مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ وہ جن کتابوں کا مطالعہ کرتے، ان سے متعلق چھوٹے چھوٹے مضامین بھی لکھتے۔ ساتھ ہی کچھ شرحیں اور حواشی کو بھی وہ اپنی زبان میں

---

(۲) آج کل ۔ نئی دہلی (مولانا آزاد نمبر) نومبر ۱۹۸۸ء مولانا آزاد بحیثیت صحافی ۔ مالک رام (ص ص ۸۷ ۔ ۸۶)

(۳) غبار خاطر (مولاناابوالکلام آزاد) مرتبہ مالک رام (ص ۔ ۵۰)

پیش کرنے کی کوشش کرتے۔ انہوں نے تقریباً ۱۹۰۱ء کے ابتدائی زمانے سے عربی رسالوں کے بعض مضامین کا ترجمہ کرنا شروع کردیا تھا۔ فارسی تحریروں کی مشق کے لیے انہوں نے مولانا محمد حسین آزاد کی "آب حیات" کا فارسی ترجمہ کیا تھا۔ اس طرح رفتہ رفتہ ان کا علمی و ادبی ذوق پروان چڑھنے لگا اور ان میں لکھنے کی صلاحیت پیدا ہونے لگی۔ اپنے بچپن کے زمانے میں انہوں نے ایسے مضامین بھی لکھے جو بعد میں المصباح، احسن الاخبار، تحفہ احمدیہ، خدنگ نظر اور مخزن وغیرہ رسالوں میں شائع ہوئے۔

مولانا آزاد کو بچپن ہی سے کتابوں سے رغبت تھی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا آزاد کو کھیل کود اور تفریح کے مادّی وسائل کی کوئی کمی نہ تھی لیکن ان کی طبیعت کی افتاد ہی کچھ ایسی واقع ہوئی تھی جو عام بچوں کی طرح کھیل کود کی طرف مائل ہی نہیں ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنے بچپن کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہوئے اپنے تعلیمی حصول کے ذوق و شوق کو ان لفظوں میں واضح کیا ہے۔

"لوگ لڑکپن کا زمانہ کھیل کود میں بسر کرتے ہیں۔ مگر بارہ تیرہ برس کی عمر میں میرا حال یہ تھا کہ کتاب لے کر کسی گوشے میں جا بیٹھتا اور کوشش کرتا کہ لوگوں کی نظروں سے میں اوجھل رہوں۔ کلکتہ میں آپ نے ڈلہوزی اسکوائر ضرور دیکھا ہوگا، جنرل پوسٹ آفس کے سامنے واقع ہے اسے عام طور پر لال ڈگی کہا کرتے تھے۔ اس میں درختوں کا ایک جھنڈ تھا کہ باہر سے دیکھئے تو درخت ہی درخت ہیں، اندر جایئے تو اچھی خاصی جگہ ہے اور ایک بنچ بھی بچھی ہوئی ہے۔ معلوم نہیں اب بھی یہ جھنڈ ہے یا نہیں۔ میں جب سیر کے لئے نکلتا، تو کتاب ساتھ لے کر جاتا اور اس جھنڈ کے اندر بیٹھ کر مطالعہ میں غرق ہوجاتا۔ والد مرحوم کے خادم خاص حافظ ولی اللہ مرحوم ساتھ ہوا کرتے تھے۔ وہ باہر ٹہلتے رہتے اور جھنجھلا جھنجھلا کر کہتے "اگر تجھے کتاب پڑھنی تھی تو گھر سے نکلا کیوں؟ ---دریا کے کنارے ایڈن گارڈن میں بھی اسی طرح کے کئی جھنڈ تھے۔ ایک جھنڈ جو برمی پگوڈا کے پاس مصنوعی نہر کے کنارے تھا اور شاید اب بھی ہو، کیونکہ اس طرف لوگوں کا گذر بہت کم ہوتا تھا۔ اکثر سہ پہر کے وقت کتاب لے کر نکل جاتا اور شام تک اس کے اندر گم رہتا۔" (۴)

---

(۴) انتخاب تذکرہ (مولانا ابوالکلام آزاد) مرتبہ پروفیسر محمود الٰہی (ص۔ ۱۲۱)

مولانا آزاد نے بچپن ہی میں بے شمار اچھی اور معیاری کتابوں کا مطالعہ کیا اور اپنے ذوق سلیم کو تقویت بہم پہنچائی۔ جیسا کہ ان کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بڑے انہماک اور دلچسپی سے کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ غالبًا اسی زمانے میں انہیں امام غزالیؒ کی سوانح حیات لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا اور تھوڑا بہت کام انہوں نے شروع بھی کر دیا تھا۔

بچپن ہی میں مولانا آزاد کو شعر و سخن سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اپنی شاعری کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مولوی عبدالواحد خان سہسرامی کلکتے کے معروف شاعر تھے جو ان کے گھر اکثر اپنی بہن سے ملنے آیا کرتے تھے اور انہیں اپنے اشعار سنایا کرتے تھے۔

عبدالواحد خان سہسرامی مولانا آزاد کو مشاعروں کا حال سناتے اور مختلف انداز سے شعر و شاعری کا ذکر کر کے ان دل میں رغبت پیدا کرتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاعری سے مولانا کی دلچسپی روز بروز بڑھتی گئی اور انہوں نے مختلف شعرائے کرام کا مطالعہ شروع کر دیا۔ یاد گار غالب کے مطالعے نے انہیں مرزا غالبؔ سے روشناس کرایا۔ مرزا غالبؔ کی شخصیت نے مولانا کو بہت متاثر کیا۔ اس زمانے میں بمبئی سے "ارمغان فرخ" نامی گلدستہ شائع ہوتا تھا۔ اس میں ایک بار مصرع طرح تھا۔ "پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی"۔عبدالقوی دسنوی اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں۔

"مولوی عبدالواحد نے اس مصرعے پر چند شعر کہے اور مولانا ابوالکلام آزاد کو سنائے جس نے ان کے دل میں بھی شعر کہنے کی تڑپ پیدا کر دی۔ چنانچہ انہوں نے اس زمین میں تیس شعروں پر مشتمل طویل غزل کہہ ڈالی۔ لیکن بعد میں صرف سترہ شعر انتخاب کئے اور مولوی عبدالواحد کو سنائے۔ وہ غزل سنتے ہی پھڑک اٹھے اور مولانا کی بہت تعریف کی۔" (۵)

مولانا آزاد نے ابھی تک کوئی تخلص نہیں رکھا تھا۔ عبدالواحد صاحب کی تجویز سے آزاد تخلص کو انہوں نے بہت پسند کیا۔ اس پسندیدگی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ گلدستوں میں حروف تہجی کی ترتیب سے غزلیں چھپتی تھیں اور لازمی طور پر "الف" ممدوہ کو فوقیت حاصل تھی۔ آزاد تخلص کی وجہ سے ان کا کلام گلدستوں کے ابتدائی اوراق میں چھپتا تھا۔ جب مذکورہ غزل شائع ہوئی تو بعض لوگوں کو یقین نہیں آیا کہ یہ انہی کی کہی ہوئی غزل ہے۔ چند ماہ بعد جب وہ

---

(۵) مولانا ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی (مختصر سوانح حیات) عبدالقوی دسنوی (ص ۔ ۲۱)

مشاعروں میں اپنا کلام پڑھنے لگے تب بھی لوگ یہ سمجھتے کہ دوسروں کا لکھا ہوا کلام ہے، جسے وہ پڑھتے ہیں۔ مولانا آزاد اس زمانے میں شاعری کے ساتھ ساتھ نثری مضامین بھی لکھنے لگے تھے اور رفتہ رفتہ وہ شاعری سے دور ہونے لگے تھے۔

۵. ازدواجی حالات

مولانا ابوالکلام آزاد کی شادی زلیخا بیگم سے ہوئی اس وقت مولانا کی عمر تقریباً ۱۹ یا ۲۰ سال تھی اور زلیخا بیگم تقریباً چھ سال کی معصوم و کمسن بچی تھیں۔ زلیخا بیگم کے والد آفتاب الدین بغداد کے ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا آزاد ان کے خاندانی حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" آفتاب الدین، جن کا سلسلۂ نسب صدیق اکبرؓ سے ملتا ہے، کلکتہ کے سروے آفس میں ملازم تھے اور مولوی خیرالدین کے بہت عزیز مریدوں میں سے تھے۔ ان کی پانچ صاحبزادیاں تھیں۔ سب سے چھوٹی زلیخا بیگم تھیں۔"(۱)

زلیخا بیگم کے پیدا ہوتے ہی ان کے والد آفتاب الدین نے اس بچی کو پیر کے قدموں میں ڈال دیا۔ مولوی خیرالدین نے اس موہنی صورت والی بچی کا نام زلیخا بیگم رکھا۔ انہیں یہ بچی اتنی اچھی لگی کہ انہوں نے اس سے مولانا آزاد کا نکاح کروا دیا۔ زلیخا بیگم کی جاذب نظر شخصیت اور دلکش سراپا کی مرقع کشی کرتے ہوئے حمیدہ سلطان یوں رقمطراز ہیں۔

"نرگسی آنکھیں، دراز پلکیں، جٹی بھویں، پگھلے ہوئے سونے کا سا رنگ، بیضوی چہرہ، یاقوتی لب، ساون کی گھٹاؤں کی مانند کالے لانبے بال، بوٹا سا قد، مشرقی حیا آمیز اداؤں کا قافلہ اپنے جلو میں لیے، میں نے اس دنیا میں حور کو دیکھا ہے۔ یہ پاکیزہ ہستی حضرت یوسف والی زلیخا نہیں، یوسف ہند، حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی رفیقۂ حیات زلیخا بیگم تھیں۔" (۲)

زلیخا بیگم بہت زیادہ تعلیم یافتہ تو نہیں تھیں البتہ بعد میں دستیاب شدہ ان کے خطوط کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تھوڑی بہت ابتدائی تعلیم حاصل کی ہوگی۔ ابتدائی تعلیم سے

---

(۱) ایوان اردو۔ دہلی دسمبر ۱۹۸۸ء (مولانا ابوالکلام آزاد نمبر) فسانہ ابوالکلام آزاد سید حسین (ص۔ ۷۷)
(۲) ابوالکلام آزاد۔ گورنمنٹ آف انڈیا۔ دلی۔ زلیخا بیگم۔ حمیدہ سلطان (ص۔ ۲۰۰)

فراغت پانے تک وہ ہوشمند ہو چکی تھیں اور شباب کی منزل میں قدم رکھتے ہی وہ مولانا آزاد کی خدمت میں لگ گئیں۔ ان کی سلیقہ شعاری اور نیک نفسی کا تذکرہ کرتے ہوئے حمیدہ سلطان آگے تحریر فرماتی ہیں۔

"وہ سلیقہ شعار بھی تھیں اور امور خانہ داری سے واقف بھی تھیں، مہمان نواز بھی تھیں اور ہنس مکھ شیریں زبان بھی تھیں۔ سسرال والوں پر جان چھڑکتی تھیں اور شوہر پر بھی فدا تھیں۔" (۳)

مولانا آزاد کی زندگی سیاسی مصروفیات اور قید و بند سے اس طرح گھری ہوئی تھی کہ ان کے پاس اپنی وفا شعار رفیقۂ حیات کی طرف توجہ دینے کا وقت ہی دستیاب نہیں ہو پاتا تھا۔ اپنے ازدواجی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے غبار خاطر میں مولانا خود لکھتے ہیں۔

"١٩١٦ء میں جب پہلی بار گرفتاری پیش آئی تھی، تو وہ (زلیخا بیگم) اپنا اضطراب خاطر نہیں روک سکی تھی اور میں عرصے تک اس سے ناخوش رہا تھا۔۔ اس واقعہ نے ہمیشہ کے لئے اس کی زندگی کا ڈھنگ پلٹ دیا اور اس نے پوری کوشش کی کہ میری زندگی کے حالات کا ساتھ دے۔ اس نے صرف ساتھ ہی نہیں دیا بلکہ پوری ہمت اور استقامت کے ساتھ ہر طرح کے ناخوشگوار حالات برداشت کئے۔" (۴)

ان کی پہلی گرفتاری کے بعد زلیخا بیگم نے مولانا آزاد کے خیالات سے اتفاق کرلیا اور ان کے مزاج سے بخوبی واقف ہوجانے کے سبب زلیخا بیگم نے پھر کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جو انہیں ناگوار ہو۔ جیسا کہ مولانا آزاد کے مذکورہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ زلیخا بیگم نے ان کی ہر خواہش کو سر آنکھوں پر رکھا۔ ہجر کی سختیاں، مالی مشکلات اور شوہر کی مسلسل جدائی کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔ ان کا زیادہ تر وقت یاد الٰہی اور مولانا آزاد کی کامیابی کی دعاؤں میں گذرتا۔ شوہر کی رضا جوئی کو وہ اپنا اہم فریضہ خیال کرتی تھیں۔ وہ انتہائی سلیقہ مند، وفاشعار اور شوہر کی خوشی پر قربان ہوجانے والی ایک مکمل مشرقی خاتون تھیں۔ بقول حمیدہ سلطان، مولانا جس وقت بھی اور جتنے دن بعد بھی گھر آتے، یہ پاک طینت بیوی ہمہ تن شوق بن کر ان کا استقبال کرتی

---

(۳) ابوالکلام آزاد۔ گورنمنٹ آف انڈیا۔ دلی۔ زلیخا بیگم۔ حمیدہ سلطان (ص۔۲۰۲)

(۴) غبار خاطر (ابوالکلام آزاد) مرتبہ مالک رام (ص ص۔۲۳۷۔۲۳۶)

اور اپنے شوہر کو ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش کرتی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی خرابیٔ صحت کا ذکر تک اپنے شوہر سے نہیں کیا۔ مولانا آزاد نے غبار خاطر میں ۱۱، اپریل ۱۹۴۳ء کے ایک مکتوب میں لکھا ہے۔

"میری بیوی کی طبیعت کئی سال سے علیل تھی۔ ۱۹۴۱ء میں، میں جب نینی جیل میں مقید تھا تو اس خیال سے کہ میرے لئے تشویش کا موجب ہوگا مجھے اطلاع نہیں دی گئی، لیکن رہائی کے بعد معلوم ہوا کہ یہ تمام زمانہ کم و بیش علالت کی حالت میں گذرا تھا۔ مجھے قید خانہ میں اس کے خطوط ملتے رہے، ان میں ساری باتیں ہوتی تھیں لیکن اپنی بیماری کا ذکر نہیں ہوتا تھا۔" (۵)

حالانکہ مولانا آزاد بھی زلیخا بیگم کو بہت چاہتے تھے، لیکن اپنی محبت کو وہ اپنے سیاسی مشاغل پر غالب نہیں آنے دیتے تھے۔ وہ فطری طور پر آزاد طبیعت اور والہانہ جذبات کے مالک تھے اور صورتحال یہ تھی کہ جب کبھی وہ جیل سے باہر ہوتے تو اپنی قومی مصروفیات کے باعث اپنی رفیقۂ حیات کی صحت اور علاج و معالجہ پر ٹھیک ڈھنگ سے توجہ نہیں دے پاتے تھے اور جب وہ جیل میں ہوتے تو زلیخا بیگم اپنی علالت کی اطلاع دے کر انہیں ذہنی اذیت میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ اس لئے ان کا سلسلۂ علالت دراز تر ہوتا چلا گیا۔ غذا برائے نام رہ گئی اور وہ دق جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوگئیں۔ اپنی شدید ترین بیماری کے دوران بھی انہیں صرف مولانا کی صحت و کامیابی ہی کا خیال رہتا تھا۔ انجام کار ۱۹، اپریل ۱۹۴۳ء کو زلیخا بیگم کا بستر مرض، بستر مرگ میں تبدیل ہوگیا۔ اس وقت مولانا آزاد احمد نگر کے قلعے میں نظر بند تھے۔ زلیخا بیگم کی وفات کے بعد انہوں نے جو خط غبار خاطر میں نواب صدریار جنگ کو مخاطب کر کے لکھا تھا، اس سے ان کے بے پناہ غم و اندوہ کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"گذشتہ پچیس برس کے اندر کتنے ہی سفر درپیش آئے اور کتنی ہی مرتبہ گرفتاریاں ہوئیں لیکن میں نے اس درجہ افسردہ اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کیا یہ جذبات کی وقتی کمزوری تھی جو اس کی طبیعت پر غالب آگئی تھی۔ میں نے اس وقت ایسا ہی خیال کیا تھا، لیکن اب سونچتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ اس زندگی میں یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ وہ خدا حافظ اس لئے نہیں کہہ رہی تھی کہ میں سفر کر رہا تھا، وہ اسلئے کہہ رہی تھی کہ خود سفر کرنے والی تھی۔" (۶)

---

(۵) انتخاب غبار خاطر ۔ ابوالکلام آزاد۔ مرتبہ پروفیسر محمود الٰہی (ص ۔ ۷۲)
(۶) غبار خاطر (ابوالکلام آزاد) مرتبہ مالک رام (ص ۔ ۲۳۶)

جیل سے رہا ہونے کے بعد مولانا آزاد کلکتے میں زلیخا بیگم کی قبر پر گئے اور باوجود اپنے مثالی صبر و تحمل کے، ان کے ضبط کا دامن ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور دیر تک وہ اپنی چھتیس سالہ رفیقۂ حیات کی رفاقت کو یاد کرکے سر جھکائے روتے رہے۔ وہ زلیخا بیگم سے بے پناہ محبت کرتے تھے جس کا اظہار ان کے سوزودرد میں ڈوبے ہوئے ان لفظوں سے ہوتا ہے۔

"اس طرح ہماری چھتیس برس کی ازدواجی زندگی ختم ہوگئی اور موت کی دیوار ہم دونوں میں حائل ہوگئی۔ ہم اب بھی ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں، مگر اس دیوار کی اوٹ سے۔۔۔ مجھے ان چند دنوں کے اندر برسوں کی راہ چلنی ہے۔ میرے عزم نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا، مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے پاؤں شل ہوگئے ہیں۔" (۷)

مولانا آزاد کی شریک حیات زلیخا بیگم کے بطن سے صرف ایک ہی لڑکا پیدا ہوا تھا۔ بقول مولانا آزاد وہ بہت خوب صورت تھا اسلئے اس کا نام حسین رکھا تھا۔ حمیدہ سلطان نے اس سلسلے میں لکھا ہے۔

" مولانا کو قدرت نے ایک نہایت خوبصورت بچہ "حسین" دیا تھا لیکن زندگی نے ساتھ نہیں دیا اور کم عمری ہی میں فوت ہوگیا۔ اس کے بعد مولانا کو پھر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔" (۸)

صرف چار سال کی عمر میں مولانا کا نور نظر بارگاہ الٰہی میں پہنچ گیا۔ اسے بھی کلکتے کے مانک تلہ قبرستان میں دفن کیا گیا۔

٦. تعلیمی زندگی کا اختتام :

مولانا ابوالکلام آزاد نے تقریباً چودہ سال کی عمر میں "درس نظامی" کی تکمیل کی۔ وہ بچپن ہی سے عام طلبہ کی بہ نسبت انتہائی ذہین تھے، جس کا اقرار انھوں نے خود ان لفظوں میں کیا ہے۔

"۱۹۰۳ء میں عمر کا پندرھواں سال شروع ہوا تھا، میں درس نظامیہ کی تعلیم سے فارغ ہوچکا تھا اور والد مرحوم کی ایماء سے چند مزید کتابیں بھی نکال لی تھیں۔ چونکہ تعلیم کے باب میں قدیم خیال یہ تھا کہ جب تک پڑھا ہوا پڑھایا نہ جائے، استعداد پختہ نہیں ہوتی۔ اس لئے طلبہ

---

(۷) نقوش۔(آپ بیتی نمبر)جون۔۱۹۶۴ء (ص۔۱۸۴۸)

(۸)ابوالکلام آزاد۔گورنمنٹ آف انڈیا(دلی)زلیخا بیگم۔حمیدہ سلطان(ص۔۲۰۴)

کا ایک حلقہ میرے سپرد کیا گیا اور ان کے مصارف قیام کے والد مرحوم کفیل ہوگئے۔ میں نے تکمیل فنون کے لئے طب شروع کردی تھی۔ خود قانون پڑھا تھا اور طلبہ کو مطول، میر زاہد اور ہدایہ وغیرہ کا درس دیتا تھا۔" (۱)

ایک طرف مولانا آزاد کی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا اور دوسری طرف انہوں نے اپنی علمی استعداد کی پختگی کے لئے دیگر طلبہ کو درس و تدریس کے ساتھ ترجمہ کا کام بھی شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۰۳ء کے بعد گلدستوں میں ان کا کلام نظر نہیں آتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے شعر و شاعری ترک کر کے نثری مضامین لکھنا شروع کردیا تھا۔ اس زمانے میں رسائل و جرائد کا بہت چرچا تھا اور ان کا معیار بھی بہت اونچا تھا۔ ان رسالوں میں سیاسی مباحث کے علاوہ ادبی، سماجی، تاریخی، سائنسی اور معاشی مسائل پر بھی مضامین لکھے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ سرسیّد کے زمانے سے چلا تھا۔ مولانا آزاد کو سرسیّد احمد خان سے ابتدا ہی سے بہت عقیدت تھی۔ چنانچہ انہوں نے انتہائی جوش و خروش سے میدان صحافت میں قدم رکھ دیا۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولانا آزاد شہرت اور مقبولیت کی اس منزل پر پہنچے کہ ۱۹۰۳ء میں انہوں نے منشی نوبت رائے نظر کی خواہش سے "خدنگ نظر" کے حصہ نثر کے اسسٹنٹ اڈیٹر کی ذمہ داری سنبھالی۔ صحافتی دنیا کے نشیب و فراز سے واقفیت حاصل ہو جانے کے بعد انہوں نے خود اپنی ادارت میں مشہور و معروف ماہنامہ "لسان الصدق" جاری کیا اور صحافتی میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ لسان الصدق میں پہلی بار انہوں نے ادارت کی ذمہ داریوں کو اس خوش اسلوبی سے نبھایا کہ اس رسالے کے پہلے ہی شمارے نے اہل علم و نظر کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اس وقت مولانا آزاد کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔ عبدالقوی دسنوی اس کم عمر صحافی کی خوبیوں کو اجاگر کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

"لسان الصدق کے معتبر مضامین، فکر انگیز تحریریں، وقتی مسائل سے دلچسپی، سماجی خرابیوں کی طرف توجہ، علمی مذاق کی تشریح، معیاری تبصرے کا عالمانہ نقد و نظر کچھ اس انداز سے سامنے آئے کہ ہر طرف سے واہ واہ اور نعرہ ہائے تحسین بلند ہوئے۔ معاصر اخبارات و رسائل میں اس کے چرچے ہوئے۔ اس کی تعریف و توصیف ہوئی۔ اہل ذوق نے شوق سے اس

---

(۱) نقوش (آپ بیتی نمبر) جون ۱۹۶۴ء (ص۔ ۱۸۳۹)

کا مطالعہ کیا اور اس سے دلچسپی اور تعلق کا اظہار کیا اور پسندیدگی ظاہر کی۔" (۲)

یہ وہ دور تھا جب مولانا آزاد کی زندگی اپنے لئے ایک مخصوص راستہ تلاش کر رہی تھی۔ اسی زمانے میں انہوں نے اپنی پہلی کتاب "اعلان الحق" تصنیف کی، جس سے ان کی نثر نویسی کی صلاحیت ابھر کر سامنے آئی۔ اسی زمانے میں انہوں نے جلسوں میں شرکت کی اور اپنی سحر کارانہ خطابت سے اہل جلسہ اور اہل علم حضرات کو متاثر کرنا شروع کیا۔ یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ ۱۹۰۴ء میں انہوں نے انجمن حمایت اسلام، لاہور کے اجلاس میں شرکت کی، جہاں ان کی ملاقات الطاف حسین حالی اور مولوی وحید الدین سلیم جیسے جیّد عالموں سے ہوئی۔ علامہ شبلی سے مولانا آزاد پہلے ہی متعارف تھے۔ ان بزرگوں سے ملاقات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مولانا آزاد خود لکھتے ہیں۔

"لسان الصدق کی اشاعت کے تھوڑے عرصے بعد ہی میں نے پہلی مرتبہ شوقیہ سفر کیا اور لاہور کی انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں شریک ہوا۔۔۔ اس جلسہ میں مولانا حالی مرحوم بھی تشریف لائے تھے اور یہ آخری مجلس تھی جس میں مولانا نے نظم پڑھی تھی۔۔۔ مولوی وحیدالدین سلیم نے جب میری مولانا سے تقریب کی اور انہیں معلوم ہوا کہ لسان الصدق کا اڈیٹر میں ہی ہوں، تو انہیں اس قدر تعجب ہوا کہ مکرر، سہ مکرر دریافت فرمایا۔" (۳)

علامہ شبلی کے تعلقات نے مولانا آزاد کی شخصیت میں مزید نکھار پیدا کردیا اور مولانا اپنی خداداد صلاحیتوں، ذاتی کوششوں اور کاوشوں سے ۱۹۰۴ء کے خاتمے تک بہت ہی کم عمر میں ایک عالم، ایک مصنف، ایک مدیر، ایک خطیب اور ایک ہمدرد قوم و ملت کی شکل میں دنیا کے سامنے آگئے اور دنیائے علم و ادب میں اپنا ایک منفرد مقام بنا لیا۔

---

(۲) مولانا ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی (مختصر سوانح حیات) عبدالقوی دسنوی (ص ۔ ۲۸)

(۳) آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی۔ بہ روایت عبدالرزاق ملیح آبادی (ص ۔ ۳۰۸)